وَمَآ أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى (طه:۸۸)

کی صحیح ومعتبر تفسیر

از

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی
استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، یوپی

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰه رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى آله وأصحابه أجمعين.

امابعد: شوسل میڈیا اورانٹرنیٹ پر ہفتوں سے ایک استفتا بنام مولانا عبدالسلام قاسمی غازی آباد جاری ہے، جس میں مولانا سعد صاحب کاندھلوی کی ایک تقریر جوانھوں نے ۱۳ / ربیع الاوّل ۱۴۳۸ھ/۱۳ / دسمبر ۲۰۱۶ء کوبعد نماز فجر مرکز نظام الدین میں کی تھی درج ہے، جس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ ''حضرت کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت الی اللہ تمام فرائض اور تمام سنتوں اورتمام اللہ کے احکام میں سب سے اونچا حکم رکھتا ہے؛ کیونکہ دین کے سارے شعبوں کا احیاء دعوت کے فریضہ کے ادا کرنے پر موقوف ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ دین کے سارے شعبوں کا احیاء دعوت الی اللہ کی ادائیگی پر موقوف ہے، دعوت کا چھوٹ جانا امت کی گمراہی کا یقینی سبب ہے، بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ موسی علیہ السلام اپنی قوم کو پیچھے چھوڑ کر اللہ کی رضا اوراس کوخوش کرنے کے لیے تنہا عبادت میں مشغول ہوگئے اور قوم پیچھے رہ گئی، اللہ نے پوچھا '' مَآ أَعۡجَلَكَ عَن قَوۡمِكَ يَٰمُوسَىٰ '' موسیٰ نے عرض کیا کہ وہ لوگ پیچھے رہ گئے میں آپ کوراضی کرنے کے لیے آگے بڑھ گیا، (دھیان سے سننا بات کو) اللہ نے فرمایا اے موسیٰ! ہم نے تمہارے پیچھے تمہاری قوم کوفتنہ اور آزمائش میں ڈال دیا، علماء نے لکھا ہے، وجہ یہ ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام بجائے قوم کوساتھ لے کر آنے کے قوم کو چھوڑ کر آگئے، ۴۰ رات موسیٰ نے عبادت میں گذاری، اللہ کی شان کہ چھ لاکھ بنی اسرائیل جوسب کے سب ہدایت پر تھے ان میں سے ۵ لاکھ ۸۸ ہزار چالیس رات کی چھوٹی سے مدت میں گمراہ ہوگئے۔ صرف ۴۰ رات موسیٰ علیہ السلام نے دعوت الیٰ اللہ کا کام نہیں کیا (میں یہ سمجھ کر کہہ رہا ہوں) صرف ۴۰ رات موسیٰ علیہ السلام نے دعوت کا عمل نہیں کیا، ۴۰ رات موسی علیہ السلام عبادت میں مشغول رہے اوراس چالیس رات کے عرصہ میں ۵ لاکھ ۸۸ ہزار بنی اسرائیل سب کے سب بچھڑے کی عبادت پر جمع ہوگئے الخ''۔

مولانا سعد صاحب یہ تقریر پہلے بھی بار بار کر چکے تھے، جس پر بعض علماء نے کہا کہ ان کی تقریر کے خط کشیدہ جملہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اور خود امر الٰہی کی تنقیص ہورہی ہے؛ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود سے نہیں؛ بلکہ اللہ کے حکم سے اور اللہ کی طرف سے مقررہ میقات میں گئے تھے، اس لیے یہ کہنا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ترک دعوت اور مشغول عبادت ہونے کے سبب قوم گمراہ ہوگئی، ایک اولوالعزم پیغمبر کی شان میں بلاشبہ بے ادبی ہے، اور حضرات انبیاء کی شان میں اس قسم کی بے ادبی انتہائی خطرناک ہے۔

اب اسی سلسلہ میں بنام مولانا عبدالسلام قاسمی غازی آبادی کا ایک استفتاء اوراس کے ساتھ مولانا محمد سعد صاحب کے حق میں تفسیری نقول پیش کیے گئے ہیں، اس زیرنظر تحریر میں اصل واقعہ کوسورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ کی متعلقہ آیات کی مستند ومعتبر تفسیروں سے واضح کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی مستفتی مولانا عبدالسلام غازی آبادی نے مولانا سعد کے حق میں جو دلائل پیش کیے ہیں، ان کا جائزہ بھی لیا گیا ہے، امید ہے کہ یہ تحریر ایک طالب حق کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ثابت ہوگی۔ واللہ ھوالموفق

ملحوظات

(۱) معصیت کی حقیقت: اپنے قصد واختیار سے حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرنا۔

(۲) حضرات انبیاء گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، یہی اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے، راجح قول کے لحاظ سے یہ عصمت گناہ صغیرہ سے بھی ہے، علماء دیوبند کے مقتدا حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنی بعض تصانیف میں بدلائل اس راجح قول کو بیان کیا ہے۔

(۳) حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی توقیر وتعظیم اور ان کی عزت وحرمت کی پاسداری باجماع اہل سنت والجماعت واجب ہے، تفسیری اقوال یا اسرائیلی روایات کی بنیاد پر ان کی جانب ایسے امور کی نسبت جس سے فی الجملہ ان کی تنقیص ہوتی ہو، جائز نہیں ہے۔

(۴) تفسیر کی سب کتابیں باب عقاید واحکام میں لائق استناد نہیں ہیں؛ بلکہ ان میں طبقات ہیں:

(الف) اس باب میں صرف علماء حق کی مستند ومعتبر کتابیں ہی مفید ہیں۔

(ب) پھر علمائے حق کی جن تفاسیر میں اسرائیلیات اور ضعیف روایتوں سے جس قدر زیادہ احتراز کیا گیا ہے، استناد میں اسی لحاظ سے ان کا درجہ بلند ہوگا۔

(۵) اہل حق حضرات صوفیاء کی تفاسیر جنھیں علمی اصطلاح میں ''تفسیر اشاری'' کہا جاتا ہے، ان اشاری تفسیروں سے بھی باب عقاید واحکام فقہی میں استدلال واستناد نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ ان کا موضوع باطنی معانی سے متعلق ہے، جبکہ عقیدہ وعمل کا ثبوت قرآن وحدیث کے ظاہری نصوص سے ہوتا ہے۔

(۶) اہل بدعت واھواء، جیسے معتزلہ، روافض وغیرہ کی تفسیروں سے بھی بالخصوص باب عقیدہ میں احتجاج واستدلال درست نہیں ہے۔

(۷) عصر حاضر میں ایک ایسا فرقہ موجود ہے جو اگرچہ اپنی نسبت اہل سنت والجماعت کی جانب کرتا ہے؛ لیکن اہل سنت کے بہت سے اصول سے منحرف ہے۔ یہ فرقہ اپنی عقل وفہم کو اس درجہ اہمیت دیتا ہے کہ اس کے مقابلے میں حقائق شرعیہ میں بھی تاویل وتحریف کر دیتا ہے، بخاری ومسلم کی احادیث تک کو (جبکہ اہل علم کے اجماع کے مطابق یہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہیں) ضعیف وموضوع ٹھہرا دیتا ہے، اجماع کا منکر ہے، معجزات کا بھی منکر ہے، ہندوستان میں اس فرقہ کے اولین رہنما سرسید احمد خاں اور مصر میں شیخ مفتی محمد عبدہ ہیں، جن کے اہم ترین تلامذہ میں سید محمد رشید رضا مصری اور شیخ محمد مصطفیٰ مراغی ہیں، اس فرقہ کی تفسیری کتابیں بھی لائق اعتماد نہیں؛ اس لیے باب دین میں ان پر اعتماد سے احتراز لازم ہے۔

نوٹ: مطالعہ تفسیر میں انشاءاللہ یہ ملحوظات مفید ہوں گے۔

☆ ☆ ☆

تفسیر آیات سورۃ الاعراف

بنی اسرائیل کی مصر سے واپسی

بنی اسرائیل جب سلامتی کے ساتھ بحرِ قلزم پار کر گئے اور اپنی آنکھوں سے فرعون اور اس کے سارے لشکر کو غرق ہوتے اور پھر ان کی نعشوں کو ساحل سمندر پر تیرتے ہوئے دیکھ لیا، تو انھیں اس کی طرف سے مکمل اطمینان ہو گیا۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام انھیں لے کر وادیٔ سینا کی طرف روانہ ہو گئے، راستہ میں ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو بتوں کی پوجا میں لگی ہوئی تھی اور بتصریح مفسرین یہ بت گائے کی شکل کے تھے، تو بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ کرنے لگے ”اِجۡعَلۡ لَّنَاۤ اِلٰـهًا كَمَا لَهُمۡ اٰلِهَةٌ“

اس فکری پستی کا مظاہرہ کیوں

بنی اسرائیل اگر چہ نبیوں کی اولاد تھے اور ان میں ابھی تک وہ اثرات کسی قدر باقی تھے جو انھیں اپنے آباء واجداد سے ورثہ میں ملے تھے؛ لیکن صدیوں کی غلامی اور مصری بت پرستوں کے حاکمانہ اقتدار میں رہنے کی وجہ سے اخلاقی پستی، عزائم کی کمزوری، احسان فراموشی، سرکشی، فساد انگیزی وغیرہ جیسے رذائل ان کا قومی مزاج بن گئے تھے، اپنے اسی مزاج کی بناء پر وہ سارے دلائل ومعجزات جنھیں وہ اب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ دیکھ چکے تھے، سب کو نظر انداز کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ کر بیٹھے کہ ہمارے لیے بھی ایسا ہی معبود بنا دیجیے جیسے ان کے معبود ہیں۔

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام انھیں لے کر اس لق ودق بیابان میں پہنچ گئے جسے توریت میں بیابان شور، سین اور سینا کے ناموں سے ذکر کیا گیا ہے، اسی بیابان کے ایک سرے پر کوہ طور واقع ہے۔

اس بیابان شور میں ان کے کھانے پینے کا معجزاتی انتظام بھی کر دیا گیا کہ بحکم الٰہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک پتھر پر اپنے عصا کو مارا تو پانی کے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور کھانے کے لیے روزانہ من وسلویٰ کا نزول ہو جایا کرتا تھا، پھر دھوپ کی تپش کی شکایت پر بادلوں کا سائبان ان پر تان دیا گیا۔ ان سب خدائی انتظامات کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود اللہ رب العزت کے وعدہ اور حکم کے مطابق رب کائنات سے براہ راست مناجات اور بنی اسرائیل کے لیے دستور شریعت یعنی تورات حاصل کرنے کی غرض سے کوہ طور پر جانے کا قصد کیا، تو حضرت ہارون علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی اصلاح اور نگرانی کے لیے اپنا قائم مقام بنا کر اپنے کچھ منتخب اصحاب کے ہمراہ کوہِ طور کے لیے روانہ ہو گئے۔

قرآن حکیم ناطق ہے:

(۱) وَوٰعَدۡنَا مُوۡسٰى ثَلٰثِيۡنَ لَيۡلَةً وَّاَتۡمَمۡنٰهَا بِعَشۡرٍ فَتَمَّ مِيۡقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرۡبَعِيۡنَ لَيۡلَةً وَقَالَ مُوۡسٰى لِاَخِيۡهِ هٰرُوۡنَ اخۡلُفۡنِىۡ فِىۡ قَوۡمِىۡ وَاَصۡلِحۡ وَلَا تَتَّبِعۡ سَبِيۡلَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ وَلَمَّا جَآءَ مُوۡسٰى لِمِيۡقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ الآية. (الأعراف: ۱۴۲-۱۴۳)

لِمِيۡقَاتِنَا کی تفسیر میں امام قرطبی لکھتے ہیں: ”أي في الوقت الموعود“ اسی بات کو امام بغوی نے ان الفاظ میں بیان

کیا ہے: "أي الوقت الذي ضربنا لهٗ" اور صاحب مظہری کے یہ الفاظ ہیں: أي: وَقتنا الذي وقَّتنا لهٗ أن أکلمه فیه"

یہ آیت پاک صاف طور پر بتا رہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام خود اپنے طور پر قبل از وقت کوہ طور پر نہیں پہنچ گئے تھے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ وامر پر منجانب اللہ مقررہ وقت پر وہاں گئے کہ اس مقررہ مدت میں بحکم خدا عبادت وریاضت میں مشغول رہیں گے، ان چالیس دنوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تنہائی میں عبادت میں مشغول رہنا اللہ کے حکم کی تعمیل وتکمیل میں تھا۔ پھر قوم سے اس غیوبت کے زمانہ میں ایک نبی کو اپنا قائم مقام بنا گئے تھے کہ قوم میں اصلاح ودعوت کا سلسلہ جاری رہے، اگرچہ قوم بنی اسرائیل کے اصل ہادی اور رہنما حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی تھے، مگر جب موسیٰ علیہ السلام نے اس عرصہ کے لیے حضرت ہارون کو جو خود بھی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں، اپنا نائب اور قائم مقام بنا دیا تو ان کی حیثیت اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی جیسی ہے اور قرآن پاک ناطق ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی یہ خدمت انجام دی، سورۂ طٰہٰ میں ہے: وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَأَطِيْعُوْا أَمْرِيْ (طه: ٩٠)۔ اس لیے یہ کہنا کیسے درست ہوسکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام قوم کو چھوڑ کر عبادت میں مصروف ہو گئے اور دعوت کا عمل نہیں کیا؛ اس لیے وہ قوم جو سب کی سب ہدایت پر تھی، اس کی اکثریت گمراہ ہوگئی "تدبر وتفکر".

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام حسب وعدۂ الٰہی طور پر گئے اور چالیس دنوں کے صیام واعتکاف وغیرہ کے بعد جب بغیر کسی واسطہ کے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی سے شرف یاب ہوئے تو فرطِ شوق میں سوال کر بیٹھے "رَبِّ أَرِنِيْ أَنْظُرْ إِلَيْكَ" الآیة.

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس سوال اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے جواب کی تفصیلات وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد انھیں تورات عطا ہوئی۔ اللہ عز وجل کا ارشاد ہے:

قَالَ يٰمُوْسٰى إِنِّيْ اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ الآية.(الأعراف:١٤٤-١٤٥)

اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو اکرامات وانعامات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوئے اور اس وقت جو کتاب ہدایت (تورات) انھیں ملی، اس کی افادیت واہمیت اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔

ذرا ٹھہر کر سوچئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو حضرت ہارون علیہ السلام کے حوالہ کر کے چالیس دن تک طور پر تنہا عبادت میں مشغول رہے، ان کا یہ عمل اگر بنی اسرائیل کی گمراہی کا سبب ہوتا تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان انعامات واکرامات سے ہم کنار ہوسکتے تھے، جن کا اس آیت میں بیان ہے؟

اس شرف ہم کلامی اور عطائے توریت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسی علیہ السلام کو خبر دی:

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ الآية.(الأعراف:١٤٨)

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

يخبر تعالىٰ عن ضلال من ضل من بني إسرائيل في عبادتهم العجل الذي اتخذه السامري.....وكان هذا منهم بعد ذهابِ موسىٰ لميقات ربه تعالىٰ، وأعلمه الله تعالىٰ بذلك وهو على الطور حيث يقول تعالىٰ إخبارا عن نفسه الكريمة:﴿قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ الخ﴾ (تفسیر ابن کثیر، ج۲، ص۲۵۳، سورۃ الاعراف)

اس آیت پاک کے کسی ایک حرف سے اشارۃً بھی یہ بات نہیں معلوم ہوتی کہ قوم بنی اسرائیل کی اس گمراہی کا سبب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اکیلے طور پر عبادت کے لیے جانا ہے؛ بلکہ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنے تفسیری کلمات سے یہ واضح کر دیا

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر بنی اسرائیل کا امتحان لیا جس میں وہ ناکام ہوکر سامری کے دام فریب میں الجھ گئے، جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر ہی دے دی۔

(۴) اوپر مذکور آیت میں یہ الفاظ گذر چکے ہیں: ﴿وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّأَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ﴾

ان الفاظ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ ابتداء میں طور پر عبادت کی مدت تیس راتیں مقرر ہوئی تھیں، اس پر دس دن کا اضافہ کر کے اسے پورے چالیس کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ نے کس حکمت سے یہ اضافہ کیا؟ قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام طور پر جاتے وقت قوم سے یہی کہہ گئے تھے کہ میں تیس دنوں کے بعد واپس آ جاؤں گا؛ لیکن جب تیس دن گذرنے کے بعد اس میں دس دن کا اور اضافہ ہوگیا، تو موسیٰ علیہ السلام کی واپسی میں دس دنوں کی تاخیر ہوگئی، اسی مدت تاخیر یعنی آخری عشرہ میں سامری نے اپنی فریب کاریوں اور طلسمہ سازیوں سے بنی اسرائیل کو گئوسالہ پرستی میں مبتلا کر دیا، جس کی طرف وہ اپنی پستی فطرت کی وجہ سے پہلے ہی مائل تھے۔

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

وكان موسىٰ وعد قومه ثلاثين يومًا، فلما أبطأ في العشر الزائد ومضت ثلاثون ليلة، قال (السامري) لبني إسرائيل–وكان مطاعًا فيهم–:إن معكم حُليا من حُليّ آل فرعون.....وكان السامري سمع قولهم "اجعل لنا إلٰهاً كما لهم آلهة" وكانت تلك الآلهة على مثال البقر، فصاغ لهم عجلاً جسدًا الخ (الجامع لأحكام القرآن، ج٤، ص٢٨٣–٢٨٤)

سورۃ الاعراف کی ان مذکورہ آیات کو بار بار پڑھیے اور غور کیجیے، کیا ان کے کسی حرف میں بھی اس بات کا اشارہ ہے کہ بنی اسرائیل کی یہ گمراہی حضرت موسیٰ کے ترک دعوت اور کوہ طور پر تنہا بغرض عبادت آنے کی وجہ سے ہوئی ہے؟

سورۂ طٰہٰ میں مذکور واقعہ کی تفسیر

سورۂ اعراف کی اوپر مذکور آیات میں قوم موسیٰ علیہ السلام کے واقعۂ گمراہی کی تفصیلات مستند تفاسیر کی روشنی میں معلوم ہوجانے کے بعد آیئے، اب ذیل میں منقول سورۂ طٰہٰ کی آیات سے متعلق علمائے اہل سنت والجماعت کی اہم ترین اور مستند ترین تفاسیر پر نظر ڈالیں کہ ان مفسرین عظام نے ان پاک آیات کی تفسیروں میں واقعہ کی کیا تفصیل بیان کی ہے؟

وَمَآ أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى قَالَ هُمْ أُولَآءِ عَلٰى أَثَرِيْ وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ (طٰہٰ:۸۳–۸۵)

ایک ضروری وضاحت

ان آیات کے بارے میں ائمہ تفسیر کے تشریحی وتفسیری نقول سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر یہ ضروری وضاحت کردی جائے کہ کلام الٰہی قرآن حکیم کا یہ خاص اسلوب ہے کہ باستثناء حضرت یوسف علیہ السلام کے انبیائے سابقین علیہم السلام اور ان کی امتوں کے حالات وواقعات کا جب تذکرہ کرتا ہے تو کسی شخصیت یا قوم سے متعلق سارے واقعات کو مرتب طور پر ایک ہی جگہ بیان نہیں کرتا ہے؛ بلکہ موقع ومحل کی مناسبت سے ان واقعات کو جستہ جستہ الگ سورتوں میں ذکر کرتا ہے، اسی طرح کسی قوم وفرد کے ایک ہی واقعہ کو مکرر ذکر کرتا ہے تو اس میں بھی واقعہ کے ایک حصہ کو ایک جگہ اور اسی واقعہ کے بقیہ اجزاء کو دوسری جگہ بیان کرتا ہے، جیسا کہ خود سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ کی زیر مطالعہ آیتوں سے بھی ظاہر ہے؛ چونکہ قرآن میں ان

واقعات کے ذکر کرنے کا ایک اہم ترین مقصد ان سے عبرت وموعظت کا حصول ہے اور عبرت پذیری میں یہ انداز سب سے زیادہ مفید ومؤثر ہے، اسی لیے اس اسلوب کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ کسی قوم یا فرد سے متعلق قرآن مجید میں مذکور سارے اجزاء کو پیش نظر رکھ کر ہی اس کے بارے میں صحیح نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے؛ کیونکہ صرف کسی ایک مقام پر مذکور واقعہ کی بنیاد پر اخذ نتیجہ اور فیصلہ صحیح نہیں ہوگا؛ بلکہ اس طرز عمل سے خود قرآن کی مخالفت کا بھی اندیشہ ہے۔

اس ضروری وضاحت کے بعد آیات مذکورہ بالا کی تفسیر ملاحظہ کیجیے۔

(۱) امام مجتہد حافظ ابن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ کی تفسیر

يقول تعالىٰ ذكره: (وَمَآ أَعۡجَلَكَ): وأيُّ شيء أعجلك (عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى) فتقدمتهم وخلّفتهم وراءك، ولم تكن معهم؟ (قَالَ هُمۡ أُولَآءِ عَلٰى أَثَرِىۡ) يقول: قومى على أثري يلحقون بى (وَعَجِلۡتُ إِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى) يقول: وعجلت أنا فسبقتُهم ربِّ كيما ترضٰى عنّي.

وإنما قال الله تعالىٰ ذكره لموسى (وَمَآ أَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ)؛لأنه جلّ ثناؤه فيما بلغنا، حين نجاه وبني إسرائيل من فوعون وقومه وقطع بهم البحر، وعدهم جانب الطور الأيمن، فتعجّل موسٰى إلى ربه وأقام هارون في بني إسرائيل يسيربهم على أثر موسٰى.

(قَالَ فَإِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۢ بَعۡدِكَ الخ)

يقول الله تعالىٰ ذكره قال الله لموسى: فإنا يا موسٰى! قد ابتلينا قومك من بعدك بعبادة العجل، وذلك كان فتنتهم من بعد موسٰى ويعنى بقوله (من بعدك) من بعد فراقك إياهم، يقول الله تبارك وتعالىٰ (وأضلّهم السَّامِرِىُ) وكان إضلال السامري إياهم دعاءه إياهم إلى عبادة العجل (جامع البيان عن تاويل آي القرآن، ج۹، ص۲٤۳-۲٤٤)

(۲) امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ کی تفسیر

(وَمَآ أَعۡجَلَكَ) اي: وما حملك على العجلة (عَنۡ قَوۡمِكَ) وذلك أن موسٰى اختار من قومه سبعين رجلا حتى يذهبوا معه إلى الطور لياخذوا التوراة فسار بهم، ثم عجل موسىٰ من بينهم شوقًا إلى ربه عزّوجلّ وخلف السبعين، وامرهم ان يتبعوه إلى الجبل فقال تعالىٰ لهٗ:(وَمَآ أَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى)،(قَالَ)مجيباً لربه تعالىٰ (هُمۡ أُولَآءِ عَلٰى أَثَرِىۡ)، يعني:هم بالقرب مني يأتون من بعدي (وَعَجِلۡتُ إِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى) لتزداد رضاً (قَالَ فَإِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۢ بَعۡدِكَ)، أي: ابتلينا الذين خلفتهم مع هارون وكانوا ستمأة الف فافتتنوا بالعجل غير اثنى عشر الفًا من بعدك، أي:من بعد انطلاقك إلى الجبل (وَأَضَلَّهُـمُ السَّامِرِيُّ)، أي:دعاهم وصرفهم إلى عبادة العجل وأضافه إلى السامري؛ لأنهم ضلّو بسببه (معالم التنزيل، ج۳، ص۲۷۱)

(۳) امام ابوعبداللہ قرطبی متوفی ۶۷۱ھ کی تفسیر

(وَمَآ أَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى)،أي: ما حملك على أن تسبقهم؟ قيل:عنى بالقوم جميع بنى إسرائيل، فعلىٰ هذا قيل: استخلف هارون على بني إسرائيل، وخرج معه سبعون رجلاً للميقات، فقوله: (هُمۡ أُولَآءِ عَلٰى

أَثَرِیْ)،ليس يريد أنهم يسيرون خلفه متوجهين إليه، بل أراد أنهم بالقرب مني ينتظرون عودي إليهم، وقيل: لا، بل كان أمر هارون أن يتبع في بني إسرائيل أثره ويلتحقوا به.

وقال قوم: أراد بالقوم السبعين الذين اختارهم، وكان موسٰی لما قرب من الطور سبقهم شوقًا إلی سماع كلام اللّٰه..... فلما وقف فی مقامه قال اللّٰه تبارك وتعالیٰ: (**مَآ أَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰی**) فبقی صلی اللّٰه عليه وسلم متحيرًا عن الجواب لهذا الكلمة لما استقبله من صدق الشوق فأعرض عن الجواب وكنی عنه بقوله: (**هُمۡ أُولَآءِ عَلٰی أَثَرِیْ**)، وإنما سأله عن السبب الذی أعجله بقوله "**مَا**" فأخبر عن مجيئهم بالأثر، ثم قال: (**وَعَجِلۡتُ إِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰی**) فكنی عن ذكر الشوق وصدقه إلی ابتغاء الرضا.....وقال ابن عباس: كان اللّٰه عالمًا ولكن قال: " **مَآ أَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ** " رحمة لموسیٰ واكرامًا له بهذا القول وتسكينًا لقلبه ورقة عليه (المراد بالرقة هنا التعطف) فـ (**قَالَ**) مجيبًا لربه (**هُمۡ أُولَآءِ عَلٰی أَثَرِی**).... (**وَعَجِلۡتُ إِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰی**)،أي: عجلت إلی الموضع الذي أمرتنی بالمصير إليه لترضٰی... قوله تعالی:(**فَإِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۡۢ بَعۡدِك**)، أي:اختبرناهم وامتحناهم بان يستدلوا علی اللّٰه عزّوجلّ (**وَاَضَلَّهُم السَّامِرِیُّ**)، أي دعاهم إلی الضلالة أو هو سببها، وقيل:(**فَتَنَّاهُمۡ**) ألقيناهم فی الفتنة، أي: زيّنا لهم عبادة العجل، ولهذا قال موسٰی:﴿**إِنۡ هِیَ إِلَّا فِتۡنَتُكَ**﴾ (الجامع لأحكام القرآن، ج١١، ص٢٣٢-٢٣٣)

(۴) امام ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ کی تفسیر

لما سار موسٰی عليه السلام ببني إسرائيل بعد هلاك فرعون و﴿ **أَتَوۡا عَلٰی قَوۡمٍ يَّعۡكُفُوۡنَ عَلٰی أَصۡنَامٍ لَّهُمۡ قَالُوۡا يٰمُوۡسَی اجۡعَلۡ لَّنَا إِلٰهًا كَمَا لَهُمۡ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمۡ قَوۡمٌ تَجۡهَلُوۡنَ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّاهُمۡ فِيۡهِ وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ**﴾، وواعده ربه ثلاثين ليلة ثم أتبعها له عشرًا فتمت أربعين ليلة، أي:يصوم ليلاً ونهارًا... فسارع موسٰی عليه السلام مبادرًا إلی الطور واستخلف علی بني إسرائيل أخاه هارون، ولهذا قال تعالی (**وَمَآ أَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰی قَالَ هُمۡ أُولَآءِ عَلٰی أَثَرِیْ**)،أي:قادمون ينزلون قريبًا من الطور (**وَعَجِلۡتُ إِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰی**) ای لتزداد عنی رضا (**قَالَ فَإِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۡۢ بَعۡدِك وَأَضَلَّهم السَّامِرِیُّ**) أخبر تعالیٰ نبيه موسی بما كان بعده من الحدث في بنی اسرائيل وعبادتهم العجل الذي عمله لهم ذلك السامري.

امام ابن جریر طبری، امام بغوی، امام قرطبی اور امام ابن کثیر جو صرف تفسیر ہی کے امام نہیں ہیں؛ بلکہ حدیث وفقہ وغیرہ علوم شرعیہ میں بھی امامت کے درجہ پر فائز ہیں، ان چاروں ائمہ کی زیر بحث آیت کی تفسیروں کو بغور پڑھا جائے، کیا ان تفسیروں سے اشارۃً بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل کی گمراہی کا سبب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دعوت کو چھوڑ کر عبادت کے لیے کوہ طور پر چلا جانا تھا۔

یہ ائمہ کبار "مَآ أَعۡجَلَكَ" میں "مَا" کو استفہام انکاری کے بجائے استفهام عن سبب العجلة ہی کے معنی میں لے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ علام الغیوب والشہادۃ کی طرف سے یہ سوال طلب معرفت کے لیے نہیں؛ بلکہ تعریف غیر کے لیے ہے، جیسے: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب باری تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ "أَرِنِیۡ كَيۡفَ تُحۡيِی الۡمَوۡتٰی" تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال ہوا تھا "أَوَ لَمۡ تُؤۡمِنۡ".

اسی طرح سے (قَالَ فَإِنَّا قَدۡ فَتَنَّا) میں سب نے فا کو تعقیب ذکری کے ہی معنی میں لیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے بلا واسطہ کلام کرنے اور عطائے توریت کے بعد انھیں یہ اطلاع دی کہ میں نے آپ کی قوم کو امتحان وآزمائش میں

ڈالا جس میں وہ ناکام ہوگئی، اور سامری کے دام ضلالت میں پھنس گئی ہے۔

(۵) علامہ قاضی بیضاوی متوفی ۶۹۱ ھ او ۶۸۵ کی تفسیر

(وَمَآ أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى) سوال عن سبب العجلة يتضمن إنكارها من حيث إنها نقيصة فى نفسها انضم إليها إغفال القوم وإيهام التعظم عليهم فلذلك أجاب موسٰى عن الأمرين وقدم جواب الإنكار لأنه أهمّ (قَالَ هُمْ أُولَآءِ عَلٰى أَثَرِىْ) ما تقدمتهم إلا بخطى يسيرة لا يعتد بها عادة، وليس بينى وبينهم إلا مسافة قريبة يتقدم الرفقة بها بعضهم بعضاً.(وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى)فإن المسارعة إلى امتثال أمرك والوفاء بعهدك يوجب مرضاتك.

شیخ زادہ اپنے حاشیہ علی تفسیر بیضاوی میں قاضی صاحب کی عبارت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

والجواب بقوله: (هُمْ أُولَآءِ عَلٰى أَثَرِىْ) لا يطابقه ظاهرًا أشار إلى الجواب عنه بقوله:سؤال عن سبب العجلة يتضمن إنكارها، يعني:أنه لما تضمن الإنكار، قدم العذر عما أنكر عليه فابتدأ به لكون الاعتذار عنه أهم بالنسبة إلى بيان السبب، (قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِك ":ابتليناهم بعبادة العجل بعد خروجك من بينهم وهم الذين خلفهم مع هارون وكانوا ستمائة ألف ما نجا من عبادة العجل منهم الا اثنا عشر الفا) في حاشية شيخ زاده: "ابتليناهم بعبادة العجل"،يعني أن المراد بالفتنة المحنة التى فيها شدائد والبلايا، والمعنى ألقينا قومك الذين خلفتهم مع هارون فى محنة وفتنة بعبادة العجل، وخلقنا فيهم الكفر والضلال لسوء اختيارهم وميلهم إلى جانب التقليد والهوى، وعدم اتباعهم الدلائل القاطعة التى أقامها صاحب المعجزات القاهرة. (وَأَضَلَّهم السَّامِرِيّ) باتخاذ العجل والدعاء إلى عبادته (حاشيه شيخ زاده: وأسند الإضلال إلى السامري؛ لأنه كان سبب ضلالهم حيث اتخذ لهم العجل ودعاهم إلى عبادته، وقال: هذا إلٰهكم وإله موسٰى، وإلا لم يملك أحد إضلال أحد، وأسند الفتن إلى نفسه؛ لأنه خالق الأعيان والأعراض بأسرها) (تفسير القاضي البيضاوي مع حاشية شيخ زاده، ج۳، ص۳۲۸)

شیخ زادہ کی خط کشیدہ عبارت کو پڑھیے اور بتائیے کہ قوم بنی اسرائیل اپنی پستی عزیمت کی بناء پر کفر وگمراہی میں مبتلا ہوئی تھی یا حضرت موسیٰ کے دعوت کے کام کو چھوڑ کر عبادت میں مشغول ہوجانے کی وجہ سے یہ گمراہی ان کے گلے کا طوق بنی تھی؟

(۶) مفتی دیار روم ابوسعود عمادی متوفی ۹۸۲ ھ کی تفسیر

(وَمَآ أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى)حكايةٌ لما جرى بينه تعالىٰ وبين موسى عليه الصلاة والسلام من الكلام عند ابتداءِ موافاته الميقاتَ بموجب المواعدةِ المذكورة، أي: وقلنا له: أي شيء أعجلك منفردًا عن قومك، وهذا كما ترى سؤالٌ عن سبب تقدمه على النقباء مَسوقٌ لإنكار انفرادِه عنهم لما في ذلك بحسب الظاهر من مخايل إغفالهم وعدمِ الاعتداد بهم مع كونه مأمورًا باستصحابهم وإحضارهم معه لالإنكار نفسَ العجلة الصادرةِ عنه عليه الصلاة والسلام لكونها نقيصةً منافية للحزم اللائقِ بأولي العزم، ولذلك أجاب عليه الصلاة والسلام بنفي الانفرادِ المنافي للاستصحاب والمعية حيث.

(قَالَ هُمْ أُولَآءِ عَلٰى أَثَرِى)، يعني: إنهم معي، وإنما سبقتهم بخُطاً يسيرة ظننتُ أنها لا تُخِل بالمعية ولا تقدح في الاستصحاب فإن ذلك مما لا يعتد به فيما بين الرفقةِ أصلاً وبعد ماذكر عليه الصَّلاةُ والسلام أن تقدّمَه ذلك ليس لأمر منكر ذكَر أنه لأمر مَرضيّ حيث قال:﴿وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى﴾ عَنّي بمسارعتي

إلى الامتثال بأمرك واعتنائي بالوفاء بعهدك وزيادةُ ﴿رَبِّ﴾ لمزيد الضراعةِ والابتهال رغبةً في قَبول العذر.

قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُم السَّامِرِيُّ (٨٥)

(**قَالَ**) استئناف مبني على سؤالٍ نشأً من حكايةِ اعتذاره عليهِ الصَّلاةُ والسَّلامُ وهو السرُّ في وروده على صيغة الغائبِ لا أنه التفاتٌ منَ التكلمِ إلى الغَيبة لما أن المقدرَ فيما سبق من الموضعين على صيغة التكلم كأنه قيل من جهة السامعين: فماذا قال له ربه حينئذ؟ فقيل: قال: ﴿**فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ**﴾، أي: ابتليناهم بعبادة العِجل من بعد ذهابك من بينهم وهم الذين خلفهم مع هارون عليهِ الصلاةُ والسلامُ وكانُوا ستَّمائة ألفٍ ما نجا منهم من عبادة العجل إلا اثنا عشرَ ألفًا، والفاءُ لترتيب الإخبار بماذكر من الابتلاء على إخبار موسى عليه الصلاة والسلام بعجلته لكن لالأن الإخبارَ بها سببٌ موجبٌ للإخبار به بل لِمَا بَينهما من المناسبة المصحِّحة للانتقال من أحدهما إلى الآخر من حيث إن مدارَ الابتلاءِ المذكور عجلةُ القوم فإنه روي أنهم أقاموا على ما وصّى به موسى عليه الصلاة والسلام عشرين ليلةً بعد ذهابه فحسبوها مع أيامها أربعين وقالوا أكملنا العدةَ وليس من موسى عليه الصَّلاةُ والسلام عينٌ ولا أثر، (**وَأَضَلَّهُم السَّامِرِيّ**)حيث كان هو المدبرَ في الفتنة، فقال لهم: إنما أخلفَ موسى عليه الصلاة والسلام ميعادَكم لما معكم من حُلِيّ القوم وهو حرامٌ عليكم فكان من أمر العجل ما كان، فإخباره تعالى بوقوع هذه الفتنةِ عند قدومه عليهِ الصَّلاةُ والسَّلامُ إمَّا باعتبار تحققِها في علمه تعالى ومشيئتِه وإما بطريق التعبيرِ عن المتوقَّع بالواقع الخ (تفسير أبى السعود:٦/٣٣)

اس کے بعد نصاب درس میں شامل معروف ومتداول تفسیر جلالین جلد ثانی مؤلفہ جلال الدین محمد بن احمد محلّی متوفی ۸٦۴ھ کی زیر بحث آیت پاک کی تفسیر مع تعلیقات نقل کر کے مطالعہ تفسیر کے اس باب کو بغرض اختصار بند کیا جارہا ہے۔

(۷) جلالین کی تفسیر

(**وَمَآ أَعْجَلَكَ الخ**):في الخطيب: ولما امر اللّٰه تعالىٰ موسىٰ بحضور الميقات مع قوم مخصوصين وهم السبعون الذين اختارهم اللّٰه تعالىٰ من جملة بنى اسرائيل ليذهبوا معه إلى الطور لأجل أن يأخذوا التوراة فسار بهم موسىٰ ثم عجل من بينهم شوقًا إلى ربه وخلفهم ورائه وأمرهم أن يتبعوه إلى الجبل، فقال تعالىٰ له: **مَآ أَعْجَلَكَ الخ قَالَ هُمْ أُولَآءِ عَلٰى أَثَرِى**"، أي:بالقرب منى ياتون "عَلى اَثَرِى" **وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى**" عنّى أي:زيادة على رضاك، وقبل الجواب أتى الاعتذار بحسب ظنه وتخلف المظنون وقوله:"وبحسب ظنه"، أي: ظن أن الكل لحقوه وتبعوه وجاء وا على أثرى، وقوله:"وتخلف المظنون":وهو أنهم لم يخرجوا ولم يتبعوه، فقوله: "**هُمْ أُولَآءِ عَلٰى أَثَرِى**"، أي:بحسب ظنه، وفى الواقع ليس كذلك، وقوله: "كما قال" علة لقوله :"وتخلف المظنون"،وما مصدرية، أي: ودليل تخلف المظنون، من الجمل، " **فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ**"، الظاهر من صنع المفسر أن المراد من قومك اللاحق هم الذين عنى بما قبله من أصل أن المعرفة إذا أعيدت كانت عين الأولىٰ وأنهم تخلفوا كلهم وشغلهم الفتنة من المجيء إلى الطور، ولكن الثابت عند غيره أن المعنى بالأول هم النقباء، والمراد بالثانى هم المتخلفون، وقوله:" **فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ**": استيناف كلام وقصة اخرىٰ فلذا أعاد (**قَالَ**)، والفاء للتعقيب، أي: أقول لك عقب ما ذكرنا " **إِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ**"، وقيل: إنها للتعليل، أي: لا ينبغى البعد من قومك، أي: النقباء السبعين فان القوم الذين خلفتهم مع أخيك (**وَأَضَلَّهُم السَّامِرِيّ**) فكيف تأمن على هؤلاء (جلالين، ج٢، ص٢٦٥ مع تعليقات جديدة)

مستفتی عبدالسلام قاسمی غازی آباد کے دلائل پر ایک نظر

استفتاء کی عبارت

کیافرماتے ہیں حضرت مفتی صاحب مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حضرت مولانا سعد صاحب دامت برکاتہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے ذیل میں یہ بیان فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے قوم کی گمراہی کی وجہ یہ ہوئی کہ کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام بجائے قوم کو ساتھ لے کر جانے کے اکیلے چلے گئے ۔۴۰ رات موسیٰ علیہ السلام نے عبادت میں گزاری جس کی وجہ سے چھ لاکھ بنی اسرائیل جو سب کے سب ہدایت پر تھے ان میں سے ۵ لاکھ ۸۸ ہزار چالیس رات کی چھوٹی مدت میں گمراہ ہو گئے۔

نظر

مولانا سعد صاحب کاندھلوی نے ۱۳ر ربیع الاول ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۳ر دسمبر ۲۰۱۶ء کو بعد نماز فجر بنگلہ والی مسجد حضرت نظام الدین دہلی میں جو تقریر کی تھی، اس میں یہ الفاظ بھی ہیں ”صرف ۴۰ رات موسیٰ علیہ السلام نے دعوت کا عمل نہیں کیا“ مولانا عبدالسلام قاسمی نے یہ الفاظ کیوں استفتاء سے حذف کر دیے؟ اس کی وجہ وہ جانتے ہوں گے، جبکہ مستفتی کی دیانت کا تقاضا ہے کہ وہ مفتی کے سامنے مسئلہ دریافت طلب کی مکمل صورت بیان کرے، مولانا عبدالسلام ماشاءاللہ قاسمی ہیں وہ مستفتی کی ذمہ داریوں کو خوب جانتے اور سمجھتے ہوں گے۔

استفتاء کے بعد خود غازی آبادی صاحب نے مولانا محمد سعد صاحب کے مذکورہ بالا قول کو شرعاً درست باور کرانے کے لیے درج ذیل دلائل نقل کیے ہیں:

(١) ”**قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ**“، والمراد بالفتن إما الابتلاء، أو الإضلال، يعني ابتليناهم بإظهار العجل، هل يعبدونه أم لا؟ أو أضللناهم بعبادة العجل.

فان قيل: ” **فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا** “مرتب على قوله ”**عَجِلْتُ إِلَيْكَ**“، والتقدير ”إذا عجلتَ اِلَيَّ فإنّا قد فتنّا قومك“، وهذا الكلام يقتضي كون العجلة سببًا للفتنة، إذ الفاء للسببية فما وجه هذه السببية؟ قلت: لعل وجه ذلك أن الأنبياء عليهم السلام أرسلوا لهداية الخلق بوجهين: ظاهرًا، بدعوتهم إلى الإسلام، وتعليمهم الأحكام، وباطنًا بجذبهم إلى الله عما سواه وإفاضة نورالإيمان والمعرفة في قلوبهم حتى ينشرح صدورهم للإيمان، ويروا الحق حقًا والباطل باطلاً، ولا يتم ذلك إلا عند كمال توجههم إلى الخلق بشراشرهم، ولما كان عجلة موسیٰ عليه السلام إلى الله تعالى مبنيًا على غلبة المحبة والشوق وسكر ذلك، انقطع عند ذلك توجه باطنه عن الأمة، فحينئذ وقع أمة فى الفتنة والضلال“ (مظهرى ٦/١٥٥-١٥٦)

(۱) اس دلیل پر نظر

(الف) مولانا عبدالسلام قاسمی بفضلہ تعالیٰ عالم ہیں اور نام کے ساتھ قاسمی کا لاحقہ بتا رہا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء میں سے ہیں؛ اس لیے وہ ضرور جانتے ہوں گے کہ وہی دلیل، دلیل کہلانے کی مستحق اور لائق قبول ہوتی ہے جو اپنے دعویٰ کے مطابق ہوتی ہے۔ دعویٰ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ۴۰ راتیں دعوت کا عمل نہیں کیا اور اپنی قوم کو پیچھے چھوڑ کر تنہا کوہ طور پر عبادت میں مشغول رہے، اس وجہ سے قوم کی اکثریت گمراہ ہوگئی اور حضرت قاضی صاحب کی عبارت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت وشوق کا ان پر اس قدر غلبہ ہوا کہ ان پر سکر اور بیخودی کی کیفیت طاری ہوگئی، جس کی وجہ سے ان کی توجہ باطنی امت سے منقطع ہوگئی اور اسی توجہ باطنی کے انقطاع سے امت فتنہ وضلالت میں واقع ہوگئی۔ مولانا غازی آبادی صاحب ہی انصاف سے بتائیں کہ کیا ان کی یہ دلیل ان کے دعویٰ کے مطابق ہے؟

دعویٰ: دعوت کا عمل ترک کر کے امت سے الگ عبادت میں مشغول ہوگئے اس وجہ سے ہدایت یافتہ قوم گمراہ ہوگئی۔

دلیل: محبت الٰہی اور اس کے شوق کا اس قدر غلبہ ہوا کہ اس سے سکر کی کیفیت ہوگئی جس سے امت کی طرف توجہ باطنی منقطع ہوگئی اس وجہ سے امت گمراہ ہوگئی۔

معمولی پڑھا لکھا شخص بھی دعویٰ ودلیل کو ایک نظر دیکھ کر یہی کہے گا کہ دونوں میں مطابقت نہیں ہے؛ لہٰذا اسے دلیل کہنا بجائے خود دلیل کا مذاق اڑانا ہے۔

(ب) حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے یہ جواب لفظ: لَعَلَّ سے شروع کیا ہے جو توقع، تعلیل اور بقول کوفیوں کے استفہام کے معانی میں استعمال ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ یہاں توقع ہی کے معنی میں ہے، اردو میں توقع کا ترجمہ ''شاید''، ''امید ہے'' اور ''ممکن ہے'' سے کیا جاتا ہے، اور یہ سب معانی جزم ویقین سے خالی ہیں، جب مجیب ہی کو اس جواب کی صحت پر جزم ویقین حاصل نہیں ہے، تو پھر یہ کسی امر پر دلیل وحجت کیسے بن سکتا ہے؛ کیوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی بشری حیثیت سے بطور ظن وگمان کے کوئی بات کہیں تو بغیر باری تعالیٰ کی تقریر کے یہ بات امت کے حق میں حجت نہیں ہوتی، تو قاضی صاحب کا یہ غیر یقینی جواب کیسے دلیل وحجت بنے گا۔

(ج) حضرت قاضی صاحب نے اپنے اس جواب میں فرمایا ہے کہ حضرات انبیاء دو طور پر خلق خدا کی ہدایت کے لیے بھیجے جاتے ہیں: (۱) ایک ہدایت ظاہری جو دعوت اِلی الاسلام اور تعلیم احکام کے ذریعہ انجام پاتی ہے۔ (۲) دوسرے باطنی ہدایت جو انبیاء کی توجہ باطنی کے ذریعہ انجام پذیر ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت ظاہری، یعنی دعوت وتعلیم پر قاضی صاحب نے سکوت فرمایا ہے، گویا ان کے نزدیک دعوت وتعلیم کے کام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بخیر وخوبی پورا کیا۔ دوسری، یعنی ہدایت باطنی جس میں بوجہ غلبۂ محبت الٰہی سکر وبیخودی طاری ہوجانے کے سبب خلل واقع ہوا، جس سے ان کی قوم گمراہ ہوگئی، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ دلیل صرف دعویٰ کے موافق نہیں؛ بلکہ اس کے ایک جزء میں مخالف ہے؛ کیوں کہ دعویٰ کا پہلا جزء یہ ہے کہ ''۴۰ رات موسیٰ علیہ السلام نے دعوت الی اللہ کا کام نہیں کیا''، جب کہ حضرت قاضی صاحب کا اس نوع کی ہدایت پر سکوت بتا رہا ہے کہ یہ کام پورے طور پر انجام دیا گیا۔

(د) حضرت قاضی صاحب علوم دینیہ بالخصوص حدیث وفقہ اور کلام وتصوف میں اپنے عہد کے فرد فرید تھے، بایں ہمہ ان کا یہ صوفیانہ کلام "ولما كان عجلة موسىٰ عليه السلام إلى الله مبنيًا على غلبة المحبة والشوق وسُكر ذلك"،

یعنی بقول حضرت قاضی صاحب توجہ باطنی بھی کارِنبوت ورسالت کا ایک حصہ ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ محبت الٰہی نے سکر کی حالت طاری کردی، جس کی وجہ سے وہ رسالت کے اس حصہ کو انجام نہ دے سکے، ہم جیسے باطنی حقائق سے نابلدوں کو یہ بات کھٹک رہی ہے کہ رسول پر بزمانۂ رسالت کیا ایسی حالت پیش آسکتی ہے جس سے وہ رسالت کے کام کو انجام دینے سے قاصر ہوجائیں؛ کیوں کہ حضرات انبیاء کرام ایسے عوارضات سے جو تبلیغ رسالت میں خلل انداز ہوں، محفوظ ہوتے ہیں۔

(ھ) اس دلیل کے نقل کرنے میں بھی تلاشِ حق سے بے اعتنائی برتی گئی ہے، قاضی صاحب نے زیر بحث واقعہ سے متعلق آیت کی تفسیر کی ابتدا اور انتہا میں مختصر لفظوں میں ایسی تفسیر بیان کی ہے جو واقعہ کی صحیح تصویر پیش کرتی ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شایانِ شان بھی ہے، اگرچہ غازی آبادی صاحب نے اسے چھوڑ دیا ہے؛ لیکن ہم نقل کررہے ہیں۔

"**وَمَآ أَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى**" خطاب لموسى معطوف على الخطاب لبني اسرائيل "**قَدۡ أَنۡجَيۡنَاكُمۡ الخ**"، "**وَمَآ أَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى**"، قال البغوى: أي: ما حملك على العجلة عن قومك، وذلك أن موسىٰ اختار من قومه سبعين رجلًا حتى يذهبوا معه إلى الطور ليأخذوا التوراة فسار بهم ثم عجل موسٰى من بينهم شوقًا إلى ربه، وخلف السبعين وأمرهم أن يتبعوه إلى الجبل، فقال الله تعالىٰ: "**وَمَآ أَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى**" قلت: وهذا سوال تقرير كما يسئل المحبوب من المحب حين يراه فى غاية المحبة والشوق كى يذكر شوقه، لكن فيه مظنة انكار بما فيه من ترك موافقة الرفقة، فأجاب موسٰى عن الأمرين وقدم جواب الإنكار لكونه أهم، (**قَالَ**) موسى (**هُمۡ أُولَآءِ عَلٰى أَثَرِى**)، يعنى: ما تقدمتهم الا بخطىٰ يسيرة لا يعتد بها عادة وليس بينى وبينهم إلا مسافة قريبة يتقدم بها الرفقة بعضهم بعضًا، "**وَعَجِلۡتُ**" معطوف على قوله "**هُمۡ أُولَآء**"، أو حال بتقدير قد، "**إِلَيۡكَ**" أي: إلى مقام كرامتك والمكان الذى وعدتنى لتجلياتك عليّ وكلامك منى....، "**لِتَرۡضٰى**"، قيل: يعنى: لأن المسارعة إلى امتثال أمرك والوفاء بعهدك أوجب لازدياد مرضاتك، قلت: بل معنى "**لِتَرۡضٰى**" لغاية محبتك واشتغال الشوق إلى لقاءك واستماع كلامك كما هو مقتضى اقتراب وقت لقاء المحبوب، وذلك الشوق والمحبة يقتضى مرضاتك، "**قَالَ فَإِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ**" .... وجاز أن يكون الكلام فى الآية أنه قال الله تعالىٰ بعد ما أنجز وعده وأعطاه التوراة ارجع إلى قومه (قومك) فإنا قد فتنا قومك. (تفسیر مظہری، ج۶ص۱۵۵-۱۵۶)

"**قَالَ فَإِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ**" اور وجاز ان يكون الخ کے درمیان وہ عبارت ہے جو اوپر غازی آبادی صاحب نے بطور دلیل کے پیش کی اور جو تفسیری عبارت لائق توجہ اور نقل کرنے کی مستحق تھی اسے نظرانداز کردیا۔ والله هو المستعان.

(۲) (**وَمَآ أَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى**) سوال عن سبب العجلة يتضمن إنكارها من حيث إنها نقيصة فى نفسها انضم إليها إغفال القوم" (تفسير البيضاوي ٤/٣٥)

آں موصوف اس دوسری دلیل سے بھی یہی بتانا چاہتے ہیں کہ مولانا محمد سعد کاندھلوی نے جو بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہی ہے، وہ درست ہے اور اس کے ثبوت میں تفسیر بیضاوی کا یہ حوالہ درج کیا ہے۔

مولانا محمد سعد صاحب نے دعوت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''دعوت کا چھوٹ جانا یہ امت کی گمراہی کا یقینی سبب ہے'' (بلفظہٖ) اپنی اس بات کو مدلل کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ واقعہ ذکر کیا تھا، مولانا صاحب کی بات کے دو جزء ہیں: (۱) ۴۰ رات موسیٰ علیہ السلام نے دعوت کا عمل نہیں کیا (۲) ۴۰ رات موسیٰ علیہ السلام عبادت میں مشغول رہے، یہی دونوں امر بنی اسرائیل کی گمراہی کا سبب بنے۔

اب بتایا جائے کہ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کی اس تفسیری عبارت سے موسیٰ علیہ السلام کے ان دونوں کاموں اور اس کے نتیجے میں قوم کی گمراہی، آخر کون سی بات ثابت ہورہی ہے جو بطور دلیل کے پیش کی جارہی ہے؟ ہم نے گذشتہ سطور میں آیت زیرتحقیق سے متعلق قاضی صاحب کی مکمل عبارت مع حاشیہ شیخ زادہ نقل کردی ہے، اسے ایک بار پھر بغور دیکھ لیجیے، حقیقت پوری طرح سمجھ میں آجائے گی۔

(۳) اپنی اس تیسری دلیل میں تفسیر مراغی کی ایک عبارت نقل کی ہے، یہ دلیل بھی پہلی دونوں دلیلوں کی طرح دعویٰ کے مطابق نہیں ہے۔

(۴): عصر جدید کے معروف مصری محقق شیخ ابوزہرہؒ کی تفسیر سے اس حوالے میں تو آں موصوف نے کمال ہی کردیا ہے کہ ان کی عبارت کے سیاق وسباق کو حذف کرکے بیچ سے ایک جملہ لے لیا اور خود مفسر کے معنی ومراد کے برخلاف اپنے فکر ونظر کے مطابق ایک مفہوم کشید کرلیا جس سے نہ جاننے والوں کو یہ جتانا چاہتے ہیں کہ شیخ ابوزہرہؒ پہلے ہی سے ان کے ہم زبان وہم فکر ہیں، ہم شیخ کی مکمل عبارت نقل کررہے ہیں جس سے اہل علم ودانش پر صبح روشن کی طرح واضح ہوجائے گا کہ جناب غازی آبادی صاحب نے علمی امانت ودیانت کی کہاں تک رعایت کی ہے، ملاحظہ ہو اصل عبارت:

أول صدمة لموسى الكليم فتنة العجل، ذهب موسى إلى جانب الطور الأيمن كما وعده ربه ليتلقى التوراة، وذهب فرحًا عَجِلًا؛ لأنه على شوق لمخاطبة ربه، ولأن المسارعة إلى وعد الحبيب ترضيه وترضى نفسه، وفي غيبة موسى عن قومه لم يكن وقتا طويلا، فتن بنو إسرائيل بعبادة العجل، وربما يكون موضع عتب بهذه المسارعة، لما اقترن بغيبته، وكل شيء بإرادة الله ولكن على المرشد الهادي أن يراقب النفوس وموضع ضعفها، وموضع الضعف عند الإسرائيليين هو معاشرتهم لأهل فرعون، هو اتباعهم طريق هؤلاء في أوهامهم وعاداتهم وتقاليدهم.

قال الله تعالى لكليمه، وقد جاء مسارعا إليه في موعده:

﴿وَمَا أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوسٰى ، قَالَ هُمْ أُولَآءِ عَلٰى أَثَرِىْ وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى﴾

"الواو" وصلت ما بعدها بما قبلها لكمال السياق، ولبيان أن الفتنة جاء ت بعد الإنعام بالإنجاء وتنزيل المن والسلوى والمواعدة على خطاب الله تعالى لموسى، وهذا فيه تقريب لما يقع منهم من بعد؛ إذ قرنوا تلك النعم السامية بالكفر لا بالشك، وبذلك يتصور القارئ ما سيكون منهم.

كان موسى عليه السلام قد خرج من قومه بمن يمثلونهم، وهم السبعون المختارون الذين يمثلون أسباطهم، ولكنه ككل رئيس قد يسبق من معه يتعرف أمر اللقاء ولأنه في شوق للأنس بكلام ربه ولأنه يرى أن الله تعالى سيخاطبه بشرائع قد بعث بها.

سبقهم إلى الموعد، ولكن الله تعالى قدر ميقاتا محدّد الابتداء والانتهاء لمصلحة قدرها ولم يكن تقديره لغير أمر قدره سبحانه، وإن لبث موسى في قومه قد قدر الله فيه دفع ضرر، والله لا يخلف الميعاد، وكل شيء بقضاء الله وبتقديره وفي علمه المكنون، فهو سبحانه وتعالى يعلم ما كان وما سيكون.

عتب الله تعالى على كليمه المختار تعجله في ذاته، وعتب عليه أن سبق قومه وتركهم، وهم يحتاجون إلى رعايته ومراقبة خواطرهم ببصيرته، وهم قريبو عهد بمعاشرة الفاسقين.

عتب الله تعالى على كليمه هذا، وكان على موسى أن يعتذر عما كان منه، والله عليم بذات الصدور،

قال: ﴿هُمْ أُولَآءِ عَلٰى أَثَرِىْ﴾ أشار إليهم، ولم يأت بـ "كاف" الخطاب تأدبا مع الله[1]، ولأنه سبحانه العليم، فلا يحتاج إلى تنبيه بها؛ إذ هو يخاطب العليم الخبير، ومعنى ﴿أُولَآءِ عَلٰى أَثَرِىْ﴾ أنهم على مقربة مني، ولا يضلون الطريق؛ لأنهم ورائي، ثم قال معتذرًا عن تعجله: ﴿وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى﴾، أي كان الدافع على عجلي إليك محاولتي إرضاء ك حاسبا أن المسارعة إليك ترضيك، وقال كلمتين تقربا إليه سبحانه ومشيرا بهما إلى رغبة في ذلك التعجيل وهو أنسا بكلامه معه.

الكلمة الأولى هي ﴿إِلَيْكَ﴾، أي عجلتي كانت إليك، وأنت القريب إلى نفسي آنس بكلامك، والكلمة الثانية هي ﴿رَبِّ﴾ أي القائم على نفسي، ومن صنعتني على عينك؛ فإني أسارع إلى من صنعني على عينه جل جلاله.

وقد نبهه سبحانه إلى مغبَّة تعجله، فقال عز من قائل:

﴿قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ﴾

فاعل ﴿قَالَ﴾ هو الضمير العائد على الله جلت قدرته، والفاء للسببية، أي بسبب غيبتك وعدم قيامك بحق الرقابة النفسية عليهم التي مكناك منها، ﴿قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ﴾ أي اختبرناهم لتتبين مقدار إراداتهم وعقولهم ومداركهم، وأضاف الاختبار الذي سماه "فتنة" إلى نفسه، وهو العليم بكل شيء قبل وقوعه، وبعد وقوعه، فالأزمان تكون بالنسبة للناس لَا بالنسبة للذات العلية.

وعبر سبحانه فقال: ﴿قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ﴾ أضاف القوم إليه استحثاثا لهمته، وقوة في عتابه، أي أنهم قومه الذي جاء لإخراجهم من طغواء فرعون، ولكن لم يزل الأثر المسمى في عقولهم، فطغى بتعاليمه عليهم نفسيا وإن خلعوا الربقة وأزالوا رق الأجساد، فلم يزيلوا رق النفوس، ولقد قال تعالى: ﴿وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ﴾، أي أوقعهم في الضلال، والسامري شخص انتقل معهم من مصر، كان يجيد النحت والتصوير، ولم ينص على أنه من الإسرائيليين أو أهل مصر الأصليين، ويغلب على الظن أنه إسرائيلي اندمج مع المصريين وعرف صناعاتهم، وقيل: إنه كان هنديا يعبد البقر، ثم اعتنق ديانة بني إسرائيل. (زهرة التفاسير، تفسير سورة طٰه: ص:٤٧٦٥ - ٤٧٦٧)

(۵) یہ پانچویں دلیل تفسیر القاسمی سے ماخوذ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ "وَمَآ أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى" اس سوال کے ذریعہ خدائے عالم الغیب نے درحقیقت آدابِ سفر کی موسیٰ علیہ السلام کو تعلیم دی ہے، یہ تفسیر امام ابن المنیر مالکی کی تفسیر الانتصاف سے ماخوذ ہے، علامہ آلوسی نے روح المعانی میں اسے نقل کرکے اس پر تبصرہ کیا ہے کہ یہ واقع حال کے مطابق نہیں ہے، بہرحال زیر بحث مسئلہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہی حال مولانا غازی آبادی کی پیش کردہ دلیل (٦) و دلیل (٧) کا بھی ہے، جو علی الترتیب تفسیر طبری اور تفسیر رازی کے حوالہ سے نقل کی گئی ہیں۔ ان دونوں تفسیروں کی عبارت سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا ہے کہ قوم سے آگے بڑھ کر کیوں آ گئے؟ ظاہر ہے کہ اتنی بات سے مولانا سعد صاحب کے قول کی صحت تو ثابت نہیں ہو سکتی۔

(۸) اس دلیل میں امام محی الدین ابن عربی کی جانب منسوب تفسیر القرآن کی ایک طویل عبارت نقل کی ہے، مولانا غازی آبادی جانتے ہوں گے کہ ابن عربی کی شخصیت بڑی مختلف فیہ ہے، علاوہ ازیں اس تفسیر کی نسبت ان کی جانب محلِ بحث

(۱) أي لم يقل: هم أولئك، ولكن قال: (أولاء).

ہے۔ ڈاکٹر محمد حسین ذہبی نے التفسیر والمفسرون میں متعدد قابل قبول دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ تفسیر شیخ ابن عربی کی نہیں ہے؛ بلکہ عبدالرزاق قاشانی صوفی کی تالیف ہے، کتاب کو رواج دینے کے لیے ابن عربی کی جانب اس کی نسبت کردی گئی ہے اور قاشانی کے بارے میں سید رشید رضا نے لکھا ہے کہ یہ فرقۂ باطنیہ سے تعلق رکھتے ہیں، مگر ڈاکٹر محمد حسین ذہبی اسے صحیح نہیں سمجھتے ہیں، بہرصورت یہ تفسیر خالص حضرات صوفیا کی تفسیر اشاری پر مشتمل ہے اور عقاید واحکام پر تفسیر اشاری سے استدلال واستشہاد نہیں کیا جاتا ہے؛ کیونکہ اس تفسیر کا مدار الفاظ کے باطنی معنی ومفہوم پر ہوتا ہے جبکہ اسلامی عقاید واحکام قرآن وحدیث کے ظاہری نصوص سے ماخوذ ہیں، کاش کہ مولانا غازی آبادی زیر بحث موضوع میں اس کتاب کا حوالہ نہ دیتے تو انکے حق میں بہتر ہوتا، مگر اسے کیا کیجیے کہ انھیں قدیم ائمہ تفسیر کی مستند کتابوں کے مقابلہ میں تفسیر القرآن منسوب بنام ابن عربی اور ابن عاشور، مراغی، قاسمی وغیرہ عہد جدید کے مفسرین کی کتابیں ہی پسند ہیں۔

اس کے بعد آں موصوف لکھتے ہیں مذکورہ واقعہ سے متعلق اردو کتب تفسیر سے دلائل، پھر اردو تفسیر سے پہلی دلیل میں تفسیر مظہری عربی کی جو عبارت اپنی اولین دلیل میں نقل کی تھی، اسی کا اردو ترجمہ نقل کردیا ہے، آج معلوم ہوا کہ کسی کتاب کے ترجمہ کی حیثیت الگ مستقل کتاب کی ہوتی ہے، اس جدید انکشاف پر ہم مولانا کے مشکور ہیں۔

اس ترجمہ کو نقل کرلینے کے بعد لکھتے ہیں: یہی تفسیر روح المعانی ۱۶/۲۴۱ وغیرہ میں بھی ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں آیات کی ظاہری اعتبار سے تفسیر مکمل کرلینے کے بعد ”التفسير من باب الإشارة“ کے عنوان سے کثرت سے اشاری تفسیر بھی بیان کرتے ہیں، یہ تفسیر جو آں موصوف نے تفسیر مظہری اردو کے حوالہ سے درج کی ہے، اس کا روح المعانی میں وجود ہی نہیں، یہ حوالہ انھوں نے شاید روح المعانی کو دیکھے بغیر دے دیا ہے۔ علمی مباحث میں اس قسم کا رویہ آدمی کو غیر معتمد بنادیتا ہے۔

اردو تفسیروں سے دلائل کے ذیل میں معارف القرآن سے ایک عبارت (جس کو حضرت مفتی صاحبؒ نے بحوالہ روح المعانی درج کیا ہے) نقل کی ہے، اس سلسلے میں عرض ہے کہ معارف القرآن مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کثرت سے دستیاب ہے، آپ ان کی پوری تحریر پڑھ سکتے ہیں؛ البتہ روح المعانی تک سب کی رسائی نہیں ہے، اس لیے ہم افادہ کی غرض سے روح المعانی کی اصل عبارت نقل کررہے ہیں:

”وَمَآ أَعۡجَلَكَ الخ“ حكاية لماجرى بينه تعالىٰ وبين موسىٰ عليه السلام من الكلام عند ابتداء موافاته الميقات بموجب المواعدة المذكورة سابقًا، أي: وقلنا له: أي شيء عجل بك عن قومك فتقدمت عليهم، المراد بهم هنا عند كثير –ومنهم الزمخشري– النقباء السبعون، والمراد بالتعجيل تقدمه عليهم لا الإتيان قبل تمام الميعاد المضروب خلافاً لبعضهم، والاستفهام للإنكار ويتضمن كما فى الكشف إنكار السبب الحامل لوجود مانع فى البين وهو إيهام إغفال القوم وعدم الاعتداد بهم مع كونه عليه السلام مأمورا باستصحابهم وإحضارهم معه، وإنكار أصل الفعل؛ لأن العجلة نقيصة فى نفسها فكيف من أولى العزم اللائق بهم مزيد الحزم.(روح المعاني، ج١٦، ص٢٤١)

روح المعانی کی عبارت میں جو الکشف کی عبارت آئی ہے، اس عبارت کو اور حضرت مفتی صاحب نے جو لکھا ہے، اس کے مقابلہ سے معلوم ہوجائے گا کہ معارف القرآن کی عبارت کا کچھ حصہ اوپر منقول الکشف کی عبارت سے زائد ہے، یہ زیادتی حضرت مفتی صاحب نے کہاں سے نقل کی ہے؟ واللہ اعلم بالصواب، نیز واضح ہو کہ الکشف، یہ امام ثعلبی کی الکشف والبیان ہے جو اسرائیلیات اور موضوعات کا سب سے بڑا خزانہ ہے۔

اس کے بعد آخر میں مولانا عبدالسلام قاسمی غازی آبادی سے عرض ہے کہ اردو کی اپنے اکابر کی تفسیروں میں بیان القرآن از حضرت تھانویؒ، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور فوائد عثمانی بر ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ مولانا محمد جوناگڑھی کا ترجمہ وحواشی: احسن البیان وغیرہ کا بھی مطالعہ کرلیں، ان کے حق میں یہ مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔ موصوف کی سہولت کے لیے معارف القرآن ادریسی کی واقعہ سے متعلق تفسیر نقل کی جارہی ہے، کم از کم اسی کو ملاحظہ کرلیں۔

معارف القرآن (ادریسی) کی عبارت

موسیٰ علیہ السلام کی کوہِ طور سے واپسی اور گوسالہ پرستی کا واقعہ

قال اللّٰہُ تعالیٰ: وَمَآ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى .... إلیٰ .... وَسِعَ كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا.

القصہ جب فرعون غرق ہوگیا[1] تو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ استدعا کی کہ ہمارے لیے کوئی دستور ہدایت اور قانونِ شریعت چاہیے کہ ہم اس پر چلیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس بارے میں حق تعالیٰ سے درخواست کی، حق تعالیٰ نے توریت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا کہ ہم تم کو ایسی کتاب عطا کریں گے، جس میں احکام شریعت جمع ہوں گے اور یہ حکم دیا کہ ستر علماء اپنے ہمراہ لے کر کوہ طور پر آئیں تاکہ وہ اس کرامت کا جلوہ دیکھیں؛ چناں چہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی جگہ پر تو ہارون علیہ السلام کو چھوڑا اور ستر علماء کو لے کر کوہ طور کی طرف متوجہ ہوئے، جب وہ کوہ طور کے قریب پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام شدّتِ شوق سے بے تاب ہوگئے اور ان سب سے پہلے سبقت کرکے آگے پہنچ گئے اور ان کو یہ سمجھا گئے کہ تم پہاڑ پر آجانا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا۔

اور اے موسیٰ جلدی کرکے اپنی قوم سے پہلے آجانے پر تم کو کس چیز نے آمادہ کیا تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! وہ میرے پیچھے ہی پیچھے آرہے ہیں، کچھ زیادہ دور نہیں اور اے میرے پروردگار میں نے تیری طرف آنے میں اس لیے جلدی کی کہ تو مجھ سے اور زیادہ خوش ہوجائے۔ اس لیے میں نے بصد شوق ورغبت تیری طرف عجلت اور مسارعت کی تاکہ مزید تیرے قرب اور رضا اور کرامت کا سبب بنے، اس عجلت اور سبقت سے میرا مقصود اپنی بڑائی نہیں؛ بلکہ تیری مزید خوشنودی مقصود ہے، اور نہ یہ عجلت قوم سے غفلت اور بے اعتنائی کی بنا پر ہے، وہ سب میرے پیچھے پیچھے میرے نشان قدم پر چلے آرہے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! یہ خاص گروہ اگر چہ تمہارے پیچھے پیچھے تمہارے نشانِ قدم پر چلا آرہا ہے، مگر تمہاری وہ قوم جن پر تم ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ مقرر کرکے چھوڑ آئے ہو، وہ تمہارے نشانِ قدم سے منحرف ہوگئی۔ حق جل شانہ کا اس سوال مَآ اَعۡجَلَكَ سے مقصود ہی یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس فتنہ کی خبر دیں، جو ان کی مفارقت کے بعد پیش آیا؛ چناں چہ فرماتے ہیں:

پس تحقیق ہم نے تمہاری قوم کو تمہارے چلے آنے کے بعد فتنہ اور آزمائش میں ڈال دیا ہے، اور ظاہر اسباب میں سامری نے ان کو گمراہ کیا ہے۔ یعنی اصل فتنہ اور ابتلاء تو من جانب اللہ ہے اور گمراہی کا ظاہر سبب اور واسطہ سامری ہے کہ اس نے گوسالہ ایجاد کیا اور بنی اسرائیل کو اس کی عبادت پر آمادہ کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر جاتے وقت اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین کرگئے تھے اور یہ ہدایت فرماگئے تھے کہ ان کو توحید اور ہدایت پر قائم رکھنا۔

---

(۱) مطلب یہ ہے کہ توریت فرعون کے غرق کے بعد عطا ہوئی۔ کما قال اللّٰہ تعالیٰ وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَهۡلَكۡنَا الۡقُرُوۡنَ الۡاُوۡلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى. (دیکھو کتاب النبوات، ص: ۱۵۷)

''سامری'' موسیٰ علیہ السلام کی اُمت کا ایک منافق تھا، ہر وقت مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد اس نے چاندی سونے کا ایک بچھڑا ڈھال لیا اور بنی اسرائیل سے کہا کہ یہ تمہارا معبود ہے، بنی اسرائیل اس کو پوجنے لگے اور آزمائش میں پورے نہ اُترے سوائے بارہ ہزار کے سب گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے۔

سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا۔ اور بعض کہتے ہیں اس کا نام ہارون تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کے جاتے ہی سارے بنی اسرائیل کے گمراہ کرنے کی فکر میں پڑ گیا تھا بالآخر اس نے یہ فتنہ کھڑا کیا، جس پر بنی اسرائیل مفتون ہو گئے۔ انتہی

اوپر مذکوران تفصیلات سے یہ امر بخوبی ثابت ہوجاتا ہے کہ مولانا محمد سعد کاندھلوی کا یہ قول اللہ کے رسول: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شایان شان نہیں ہے؛ بلکہ مولانا محمد سعد صاحب کا یہ قول بالکل غلط ہے، بایں ہمہ مولانا موصوف کا اس پر اصرار مسئلہ کی نزاکت کو خطرناک حد تک بڑھا دیتا ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، اللّٰهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه، وصلى الله تعالىٰ على نبينا وسائر الأنبياء وسلم.

☆ ☆ ☆